پیغام مسیح موعودؑ

(پیروانِ مذاہبِ عالم کو حضرت مسیح موعودؑ کے پیغام
کو قبول کرنے اور باہمی صلح و آشتی کی تعلیم)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیغام مسیح موعود علیہ السلام

تقریر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی

(جو حضور نے ۱۱ ؍جولائی ۱۹۱۵ء بعد از نماز مغرب بمقام لاہور احاطہ میاں سراج دین صاحب میں ایک پبلک جلسہ میں فرمائی)

میں لاہور کوئی تقریر کرنے یا کسی جلسہ میں شمولیت کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ میرے حلق میں کچھ تکلیف تھی اور اس تکلیف کی وجہ سے میں مجبور ہؤا کہ لاہور آکر اس کا علاج کراؤں۔ جب میں یہاں آیا تو میرے دل میں تحریک ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مجھے اس تکلیف سے آرام ہوگا یا نہ ہوگا اور خدا ہی اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اس بیماری سے شفا پاؤں گا یا نہ پاؤں گا لیکن خدا تعالیٰ نے جب مجھے موقع دیا ہے کہ میں اس صوبہ کے دارالامارت میں آیا ہوں جس کا میں باشندہ ہوں تو بہتر ہے کہ میں اس جگہ پر ان تمام اصحاب کو جو حق طلبی کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں وہ پیغام پہنچادوں جو اس خدا نے جو تمام انسانوں کا خالق ہے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ ایک معمولی چپڑاسی۔ چپڑاسی بھی نہیں کوئی چوہڑا چمار گلے میں ڈھول ڈال کر ڈم ڈم کرتا ہؤا گلی میں سے گزرتا ہے تو لوگ دوڑتے آتے ہیں کہ کیا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور کیا کہہ رہا ہے تو میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ وہ انسان جو دنیاوی حیثیت کے لحاظ سے بھی معزز ہو اور مخالف بھی اقرار کریں کہ وہ معزز و مکرم ہے۔ جب دنیا میں پکار پکار کر کہے کہ میں خدا کی طرف سے ڈھنڈورا دیتا ہوں۔ اے سننے والو سنو! تو کیوں ہر ایک آدمی پر فرض نہ ہو کہ کم از

کم اس ڈھنڈورا دینے والے کی آواز کی طرح تو اس کی آواز کو سنے اور دریافت کرے کہ کیا کہتا ہے؟ پس میں ہر ایک حق پسند حق طلب اور انصاف پسند سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس پیغام کو غور سے سنے گا جو میں بیان کرنے لگا ہوں۔ یہ پیغام جیسا کہ میں نے بتایا ہے خدا کا پیغام ہے اور اس خدا کا ہے جو ہر ایک چیز کا جو زمین و آسمان کے درمیان ہے خالق ہے ہر ایک چھوٹی سے لے کر بڑی چیز کا مالک ہے اور ہر ایک جاندار کا رازق ہے اور جس کے حضور ایک دن تمام انسانوں کو حاضر ہونا ہے۔ پھر اس پیغام کے لانے والا کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ میں وہ مسیح ہوں جس کی خبر انجیل نے دی ہے۔ میں وہ نبی ہوں جس کی خبر دانیال نبی نے دی ہے۔ میں وہ مہدی ہوں جس کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی ہے۔ میں وہ کرشن ہوں جس کی خبر گیتا میں درج ہے۔ میں وہ میسیا در بھی ہوں جس کی خبر جاماسپ نے اپنی کتاب جاماسپی میں لکھی ہے اور پھر وہ یہی نہیں کہتا بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں تمام دنیا کی طرف صلح کرانے اور تمام کو ایک دین پر جمع کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اس کا یہ دعویٰ بہت بڑا دعویٰ ہے پس ہر ایک انصاف پسند کا فرض ہے کہ اس کے دعویٰ کو سن تو لے۔ میں مانتا ہوں کہ بہت سے لوگ اس کو قبول نہ کریں گے اور یہ سنت اللہ ہے کہ خدا کے فرستادوں کو بہت سے لوگ قبول نہیں کیا کرتے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ کرشن کی اس کے زمانہ میں مخالفت کی گئی کیا یہ درست نہیں کہ رامچندر، زرتشتؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، ابراہیمؑ اور مسیحؑ کی اپنے اپنے زمانہ میں مخالفت کی گئی۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ آخری لانبی جو خاتم النبیّن اور سب نبیوں کے سردار ہیں ان کی بھی مخالفت کی گئی اور کیا یہ صحیح نہیں کہ آج تک کوئی بھی نبی ایسا نہیں گزرا جس کا کوئی بھی مخالف نہ رہا ہو۔ جب بات یہ ہے تو یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ساری دنیا مان لے اور کوئی مخالف نہ رہے حماقت ہے کیونکہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے پس ایسا ہونا ناممکن ہے چونکہ انسانوں کی مختلف فطرتیں ہوتی ہیں اس لئے انبیاءؑ کو سب کے سب قبول نہیں کر سکتے۔ ہاں بعض ایسے ہوتے ہیں جو قبول کر لیتے ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن تک حق پہنچتا ہی نہیں اور بعض جلد بازی سے کام لے کر انکار کر دیتے ہیں اس لئے یہ خیال کہ کسی ایک انسان کو ساری دنیا مان لے باطل ہے۔ لیکن میں اس وقت آپ لوگوں کے سامنے ایک ایسے انسان کا پیغام پیش کرتا ہوں جس کو خدا تعالیٰ نے ساری دنیا کی طرف مبعوث کیا ہے اور جس سے خدا کا وعدہ ہے کہ دنیا کا اکثر حصہ تیرے ہاتھ پر صداقت کو قبول کرے گا اور تو اسلام کا چہرہ ظاہر

کرے گا پھر جس کی نسبت مختلف نبیوں نے خبر دی ہے اور ہر ایک مذہب والے اس کے منتظر بیٹھے ہیں۔ عیسائی صاحبان' ہندو صاحبان' یہودی اور پارسی صاحبان سب مانتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں آخری زمانہ میں آنے والے کی پیشگوئی موجود ہے۔ چینی یہاں کوئی موجود نہیں لیکن اگر کسی چینی سے دریافت کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ہاں بھی آخری زمانہ میں آنے والے کی پیشگوئی موجود ہے۔ پس جب تمام مذاہب کا اس پر اتفاق ہے تو ضرور اس میں خدا تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت ہے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں یہ سب ڈھکوسلے ہیں نہ کوئی آیا نہ آئندہ آئے گا اور نہ آسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا ڈھکوسلے ایسے ہی ہوتے ہیں جو مختلف ملکوں میں اور مختلف مذاہب کی کتابوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اگر یہ بات صرف حضرت مسیح کی کتاب میں ہوتی تو کوئی کہہ سکتا تھا ڈھکوسلا ہے۔ اگر صرف دانیال کی کتاب اس خبر کو شائع کرنے والی ہوتی تو کوئی کہہ سکتا تھا ڈھکوسلا ہے۔ لیکن مختلف نبی جو مختلف ممالک میں آئے اور مختلف کتابیں لائے انہوں نے متفق ہو کر یہ خبر دی کہ آخری زمانہ میں دنیا میں ایک نبی آئے گا اور اس کے ظہور کا وقت وہ ہو گا جب دنیا میں خطرناک جنگیں ہوں گی اور دنیا ان کے ذریعہ سے ہل جائے گی اس کے بعد اس آنے والے کے ذریعہ سے دنیا میں امن اور صلح قائم ہوگی۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ مختلف ممالک کے انبیاءؑ ایک آنے والے کی یک زبان ہو کر خبر دیں اور ان سب کا قول ڈھکوسلا کہلائے وہ انبیاء آپس میں کب اکٹھے ہوئے کہ سب نے مل کر ایک بات بنائی۔

حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو پیغام میں سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ وہ نیا بھی نہیں اور پرانا بھی نہیں۔ نیا تو اس لئے نہیں کہ وہ وہی پیغام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے مرسل ہمیشہ سے سناتے آئے ہیں اور پرانا اس لئے نہیں کہ اس وقت دنیا اس پیغام کو اس طرح بھول گئی ہے کہ گویا کبھی بھیجا ہی نہیں گیا۔ دنیا کا کوئی مذہب نہیں جس میں وہ پیغام نہیں بھیجا گیا۔ ہر مذہب میں اس کی تعلیم موجود ہے مگر اب دنیا اسے بھول گئی ہے اور ایک لفظ بھی یاد نہیں، اس لئے نیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف زمانہ میں مختلف نبی آئے ہیں اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ قرآن شریف شروع ہی اس طرح ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ: ۲) تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے

کہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اگر ہندوستان کا رب ہے تو عرب کا بھی رب ہے۔ اگر یورپ کا رب ہے تو افریقہ کا بھی رب ہے۔ اگر ایران کا رب ہے تو شام کا بھی رب ہے۔ غرضیکہ دنیا کے تمام حصص کا رب ہے اور زمین و آسمان کے درمیان جس قدر چیزیں ہیں ان سب کا رب ہے۔ کوئی چیز کوئی ملک کوئی علاقہ ایسا نہیں جس کا کوئی اور رب ہو اس لئے فرمایا کہو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہم اس خدا کو پیش کرتے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور جس کی ربوبیت کسی خاص چیز سے تعلق نہیں رکھتی۔ مثلاً اس کا سورج ہے وہ کبھی ایسا نہیں چڑھے گا کہ اس کی روشنی صرف مسلمانوں تک ہی محدود ہو اور عیسائی' ہندو' یہودی وغیرہ مذاہب کے لوگ اس سے محروم رہیں یا اس کی روشنی صرف عیسائیوں کو ہی پہنچے یا صرف ہندوؤں کے لئے ہو یا کسی اور خاص مذہب کے لوگوں کے لئے ہو بلکہ سب لوگوں کے لئے ہے۔ خواہ کوئی مؤمن ہو یا کافر، ہندو ہو یا عیسائی، دہریہ ہو یا خدا پرست جو کوئی بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہے اس کے لئے آزادی ہے لیکن اگر کوئی دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ رہے یا اپنی غلطی سے آنکھوں کو ضائع کر لے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ خدا تعالیٰ کا سورج اس پر روشنی کو بند نہیں کرتا۔ میں اس آیت کے متعلق جب نقشہ کھینچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ انسان غلہ بوتا ہے بیل اس کے ساتھ کام کرتے ہیں اور وہ سارا سارا دن ان سے کام لیتا ہے ہل چلاتا ہے پانی دیتا ہے۔ اگر سال کے بعد کھیت سے تمام غلہ ہی غلہ پیدا ہوتا اور بھوسہ نہ ہوتا تو انسان ایسا حریص ہے کہ بیلوں کو دانہ نہ ڈالتا اور سب کے سب غلہ کو اپنے کام میں ہی لے آتا لیکن خدا جس طرح انسانوں کا رب ہے اسی طرح حیوانوں کا رب ہے اس نے اگر انسانوں کے لئے دانہ پیدا کیا ہے تو ساتھ ہی حیوانوں کے لئے بھی بھوسہ پیدا کر دیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ محنت کرنے میں انسان اور حیوان دونوں شریک ہیں۔ اگر حیوانوں کے لئے الگ حصہ نہ رکھا گیا تو انسان اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر انہیں محروم کر دے گا۔ جیسا کہ پہلے زمانہ میں حیوانوں کے چرنے کے لئے بڑی بڑی چراگاہیں چھوڑی جاتی تھیں لیکن اب ان کو کھیتی باڑی کے کام میں استعمال کیا گیا ہے اور بہت کم چراگاہیں باقی رہ گئی ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے جس طرح کھیت سے دانہ نکالا ہے اسی طرح حیوانوں کے پیٹ کے موافق بھوسہ بھی نکالا ہے اسی طرح ہر ایک چیز میں دیکھ لو۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ اگر میووں وغیرہ میں بیج الگ نہ ہوتا تو انسان سارے کے سارے میوہ کو ہی کھا جاتے اور آگے پیدا ہونے کے لئے بیج بھی نہ رہنے دیتے لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا سامان کر دیا ہے

کہ ان کے بیج محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ تو خدا رب العالمین ہے جو گرم اور ٹھنڈے ملک کے رہنے والوں، گوروں، کالوں، مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں سب کا خدا ہے۔

ہر قوم میں نبی

پس اسلام اور قرآن جس خدا کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے وہ ایسا خدا نہیں ہے جس کا کسی خاص قوم سے تعلق ہو۔ بلکہ وہ تمام قوموں کا خدا ہے اور ساری دنیا کا خدا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ساری ہی دنیا کی طرف رسول آتے رہے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر : ۲۵) کوئی قوم اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی نبی مبعوث نہ ہؤا ہو کیونکہ وہ رب العالمین ہے۔ پس کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ سب اقوام میں نبی نہ بھیجتا اور کسی خاص قوم میں بھیج دیتا لیکن اگر بائبل کو پڑھو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے صرف حضرت نوحؑ کی اولاد سے کلام کیا۔ حضرت ابراہیمؑ سے کلام کیا۔ کیا ہندوستان کے لوگ خدا تعالیٰ کی مخلوق نہ تھے۔ یا یورپ، افریقہ اور امریکہ کے لوگوں کا خدا خالق نہ تھا جب سب اسی کی مخلوق تھے تو جس طرح اس نے چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ میں بخل نہیں کیا حالانکہ یہ جسم کے لئے سامان ہیں پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ سوائے خاص خاص لوگوں کے باقیوں کی روح کے لئے کوئی سامان نہ کرتا اور انہیں یونہی چھوڑ دیتا۔ ہمیں اسلام نے ایسے خدا کی تعلیم دی ہے جو کسی خاص قوم کا نہیں ہے بلکہ تمام دنیا کا ہے۔ اس لئے وہ سب دنیا کے نبیوں کو ماننے کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمارے سامنے جب کوئی شخص یہ پیش کرتا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی فلاں نبی آیا تو ہم کہتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس سے وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ کی صداقت ثابت ہوئی۔ ایسے موقع پر ایک مسیحی کے لئے مشکل ہے۔ ایک ہندو کے لئے مشکل ہے اور اسی طرح اسلام کے سوا باقی سب مذاہب کے لوگوں کے لئے مشکل ہے مگر اسلام کا ماننے والا کبھی شرمندہ نہیں ہوتا۔ جب کبھی اس کے سامنے کوئی نبی پیش کیا جائے گا وہ بڑی خوشی سے اللہ اکبر کہہ کر کہے گا کہ الحمد للہ۔ وہ کتاب جس پر میں چلتا ہوں کیسی کیسی اعلیٰ صداقتیں اپنے اندر رکھتی ہے باوجودیکہ وہ ایسے ملک میں نازل ہوئی جس کے تعلقات دوسرے ممالک سے کٹے ہوئے تھے اور کوئی ایسے ذرائع نہ تھے جن سے اسے دوسرے ممالک کے حالات معلوم ہو سکیں لیکن چونکہ اس کے نازل کرنے والا رب العالمین تھا اس لئے اس نے تمام دنیا کے نبیوں کی تصدیق فرما دی۔ غرض دنیا میں ہر قوم اور ہر ملک میں نبی گزرے ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے بتایا ہے کہ وَ اِنْ مِّنْ

اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ اور جیسا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے استدلال ہوتا ہے اور نبیوں کا سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے پس حضرت مسیح موعودؑ کی غرض اور ان کی بعثت کا مدعا دریافت کرنے کے لئے ہمیں کسی شخص سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں جو غرض ان پہلے نبیوں کی بعثت کی تھی وہی حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی ہے جب کہ اس جماعت کے ہزاروں افراد پہلے گزر چکے ہیں تو مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض دریافت کرنے کے لئے ہمیں کسی مزید کوشش کی کیا ضرورت ہے جو پیغام نبیوں کی معرفت دنیا کو دیا گیا ہے وہی پیغام حضرت مسیح موعودؑ کی معرفت دیا گیا ہے اور جس بات کی طرف ان کے ذریعہ بلایا جاتا تھا اسی کی طرف حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ بلایا گیا ہے اور اسی لحاظ سے میں نے کہا تھا کہ وہ پیغام جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف بھیجا ہے وہ کوئی نیا پیغام نہیں بلکہ پرانا ہی پیغام ہے اور نیا صرف اس لحاظ سے ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں نے اسے ایسا ہی بھلا دیا ہے کہ اب وہ ان کے لئے ایک نئے پیغام کی طرح ہی ہے۔

نبیوں کے آنے کی غرض

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے نبی کیا پیغام دنیا کی طرف لائے تھے اور کس کام پر مقرر کئے جاتے تھے سو اس کا جواب قرآن کریم میں موجود ہے اور اس کے متعدد مقامات میں اس پیغام کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے جو نبیوں کی معرفت بھیجا جاتا ہے۔ بلکہ اس پیغام کا مغز تو اسلام اور ایمان کے لفظ سے ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس آخری دین کا نام اسلام اور اس کے قبول کرنے کا نام ایمان رکھ کر تمام مذاہب کی غرض کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔ اس جگہ جو صاحبان بیٹھے ہیں ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ چونکہ ان میں سے اکثر عربی کا مذاق نہیں رکھتے اس لئے میرے مطلب کو نہ سمجھ سکیں کہ ان الفاظ سے کس طرح انبیاءؑ کی بعثت کی غرض نکلتی ہے۔ اس لئے میں مختصراً بتا دیتا ہوں۔ اسلام کے معنے ہیں فرمانبرداری اور ایمان کے معنی ماننے کے ہیں۔ اس دنیا میں جو نبی بھیجے جاتے ہیں ان کی یہی غرض ہوتی ہے کہ لوگ ان کی فرمانبرداری کریں اور ان کی باتوں کو مان لیں۔ یہ مطلب تو ان الفاظ کے عام معنوں کے مطابق ہے لیکن جب ہم ان دونوں لفظوں کی بناوٹ پر غور کریں تو اور زیادہ وضاحت سے انبیاءؑ کی بعثت کی غرض معلوم ہو جاتی ہے مگر اس کے سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ عربی زبان کی خصوصیات میں سے یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ اس میں صرف الفاظ کے معنے نہیں ہوتے بلکہ حروف کے بھی

ہوتے ہیں اور اسی طرح یہ کہ اس زبان میں جو لفظ کسی خاص شئے کے لئے وضع کیا گیا ہو وہ صرف اس چیز کے لئے بطور علامت نہیں ہوتا بلکہ اس چیز کا وہ نام کسی مناسبت کی وجہ سے رکھا جاتا ہے اور وہ نام ہی بتا دیتا ہے کہ اس چیز میں وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے مثلاً اردو میں ایک لمبی چیز کو لمبی کہیں گے۔ ماں کو ماں کہیں گے۔ باپ کو باپ کہیں گے تو ان الفاظ سے مراد صرف وہ چیزیں ہوں گی۔ ان سے یہ پتہ نہ لگے گا کہ ان میں کیا امتیازی بات ہے جس کی وجہ سے انہیں اس نام سے مخصوص کیا گیا ہے اور اگر ہم ان لفظوں کی بجائے اور لفظ بدل دیں تب بھی ہمارے مطلب میں نقص نہ آئے گا مثلاً اگر لمبی چھوٹی چیز کو کہنے لگیں اور چھوٹی لمبی کو تو اس سے اردو زبان میں کوئی نقص نہ ہوگا لیکن عربی زبان کا یہ حال نہیں اس میں اگر طویل کو قصر کہنے لگیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ ط و ل جن معنوں پر دلالت کرتے ہیں ق ص ر ان پر نہیں کرتے۔ غرض دوسری زبانوں میں تو چیزوں کے نام صرف علامت کے طور پر ہیں اگر ان کو بدل کر اور لفظ رکھ دیں تو کوئی حرج نہیں لیکن عربی زبان میں ہر ایک نام نہ صرف بطور علامت ہوتا ہے بلکہ اس چیز کے کسی خاص امتیاز پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس وجہ سے ایک لفظ کی بجائے دوسرا نہیں رکھ سکتے۔ ابھی چند ماہ ہی ہوئے جنگِ یورپ کے متعلق انگلستان کے اخبارات میں ایک عجیب سوال پیدا ہؤا تھا جس کا باعث یہ تھا کہ جرمن افسروں اور انگریز افسروں کے طریق جنگ میں فرق تھا جرمن افسر تو پیچھے کھڑے ہو کر اپنی فوج کو لڑواتے اور انگریز افسر آگے ہو کر۔ اس پر یہ سوال اٹھایا گیا کہ ان دونوں طریقوں میں سے کون سا طریق بہتر ہے۔ انگریزی اخبارات نے لکھا کہ ہمارے افسروں کا ہی طریق درست ہے کیونکہ اس سے فوج کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ افسر ہمیں مروانا نہیں چاہتے بلکہ خود ہم سے بھی آگے رہتے ہیں مجھے اس بحث کو دیکھ کر عربی زبان کی طرف توجہ ہوئی اور میں نے دیکھا کہ عربی زبان نے انگریزوں کے حق میں فیصلہ کیا ہے کیونکہ عربی میں فوج کے افسر کو قائد کہتے ہیں اور قاد جس سے یہ لفظ نکلا ہے اس کے معنے ہیں کسی جانور کو آگے کھڑے ہو کر اس کی نکیل پکڑ کر کھینچنا۔ پس عربی زبان نے فوجی افسر کے لئے جو لفظ رکھا ہے۔ اس میں سے ہی یہ بھی نکل آیا کہ وہ افسر فوج کے آگے ہو پیچھے نہ ہو۔ انگریزی میں جرنیل کرنیل وغیرہ الفاظ ہیں جو صرف اشارہ کے طور پر مقرر کر دیئے گئے ہیں لیکن عربی نے ایسا لفظ مقرر کیا ہے جس سے اس افسر کے فرائض پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ قائد کے لفظ میں ایک اور بھی خوبی ہے اور وہ یہ کہ وہ سپاہیوں

کو اس طرح اپنے ہاتھ میں رکھے جس طرح باگ سے گھوڑے کو رکھا جاتا ہے یعنی فوجی افسر میں دو باتیں ہوں۔ ایک یہ کہ فوج کے آگے آگے چلے۔ دوسرے یہ کہ سپاہیوں پر وہ ایسا قبضہ رکھتا ہو اور وہ اس کے ایسے مطیع و منقاد ہوں جیسے زبردست گھوڑے باگ کے ذریعہ قابو رہتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے اسلام اور ایمان کے الفاظ ہی ایسے چنے ہیں جو اپنے اندر بڑی بڑی خوبیاں رکھتے ہیں۔ س۔ل۔م اور ء۔م۔ن۔ اسلام اور ایمان کے اصلی حروف یا روٹ ہیں۔ یہ جہاں اکٹھے ہوں گے وہاں ان کے معنوں میں حفاظت ضرور پائی جائے گی اور یہ ایک عجیب خوبی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے سچے دین کے لئے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو مذہب کی غرض کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں حالانکہ اور بھی ایسے الفاظ تھے جو مذہب کے لئے استعمال ہو سکتے تھے مگر قرآن شریف نے اسلام اور ایمان کے الفاظ رکھے ہیں۔ ان کے حروف کو جس قدر بدلو ان سب صورتوں میں حفاظت کے معنے پائے جائیں گے۔ اول سلم کو لے لو اور اس کو بدلنا شروع کرو مثلاً اسلام ہے اس کے معنے فرمانبرداری کے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی بڑے آدمی کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کی بات مان لیتا ہے تو تکالیف سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اسی کے مال و جان کی حفاظت کی جاتی ہے جو مطیع و منقاد ہوتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ باغی ہوتے ہیں وہ گورنمنٹ کی حفاظت میں نہیں ہوتے گذشتہ زمانہ میں تو ایسے لوگ آوٹ آف لاز کہلاتے تھے اور ان کو اگر کوئی قتل کر دیتا۔ تو بھی اسے گورنمنٹ نہ پوچھتی تھی پھر سلم ہے عیب اور آفت سے بچنے کو سلم کہتے ہیں اسی طرح سَلَمَ الْجِلْدَ کے معنے ہیں۔ سلم سے چمڑے کی دباغت کر دی۔ اور دباغت بھی چمڑے کو گلنے سے بچانے کے لئے کرتے ہیں پس اس میں بھی حفاظت کے معنے پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کہتے ہیں سَالَمَہٗ صَالَحَہٗ اس سے مصالحت کی۔ صلح کرنے میں بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں تَسَلَّمَ الشَّیْءَ یعنی فلاں چیز کو اس نے پکڑ لیا اور اس پر قبضہ کر لیا اور جب کوئی چیز قبضہ میں آجاتی ہے تو وہ بھی حفاظت میں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اِسْتَلَمَ الزَّرْعُ کا محاورہ ہے۔ کھیتی نے استیلام کیا۔ یعنی کھیتی میں دانہ پڑ گیا۔ اس میں حفاظت کے معنے ہیں کیونکہ جب تک کھیتی میں دانہ نہ پڑے اس وقت تک کسان اس پر مطمئن نہیں ہوتا اور جب دانہ پڑ جائے تو پھر ایک حد تک وہ اسے محفوظ خیال کرتا ہے پھر سلام خدا کا نام ہے کہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے پھر اور بدلتے چلے جائیں تو سمل بن جائے

گا۔ جس کے معنی صلح کرانی اور حوض سے گند نکال کر صاف کرنا ہیں۔ لمس چھونے کو کہتے ہیں۔ تمام باتیں جو انسان محفوظ کرتا ہے۔ پانچ حواس سے کرتا ہے ان میں سے ایک لمس بھی ہے۔ لَمَسَ الْمَاءُ کے معنے ہیں پانی بہ پڑا۔ جب پانی بہہ کر کھیتی میں پہنچتا ہے تو کھیتی کی حفاظت کرتا ہے اور اسے خشک ہونے سے بچاتا ہے۔ اسی طرح لسم ہے اس کے معنے چپ رہنے کے ہیں اور یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ حفاظت اور امن جو خاموشی میں نصیب ہوتا ہے۔ اس کو ہر ایک جانتا ہے۔ ملس مداہنت کو کہتے ہیں اور مداہنت کی غرض ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ کسی شخص کے شر سے چکنی چپڑی باتیں کر کے محفوظ ہو جائے۔ یہ تو لفظ اسلام کے روٹ کو آگے پیچھے کر کے جو الفاظ بنتے ہیں ان کے معنوں کا اشتراک مَیں نے بتایا ہے۔ اب ایمان کے متعلق بتاتا ہوں۔ اَنَام مخلوق کو کہتے ہیں اور کسی چیز کا بن جانا ہی اس کی حفاظت کا پہلا ذریعہ ہوتا ہے۔ نَأَمَ کے معنے بولنے اور آواز نکالنے کے ہیں۔ بولنا زندگی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اور اسی مفہوم کے مطابق یہ لفظ عربی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ جو شخص مرجائے اس کی نسبت کہتے ہیں اَسْکَتَ اللّٰہُ نَأْمَتَہٗ جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آواز بند کردی۔ لیکن مراد یہ ہے کہ اسے مار دیا۔ مَأَنَ الْقَوْمَ کے معنے ہیں قوم کو کھانا کھلانا۔ کھانا بھی حفاظت کا باعث ہے اگر کوئی کھانا نہ کھائے تو ہلاک ہو جائے۔ مَأَنَ الشَّیْئَ کے معنے ہیں اس کے جس قدر پہلو ہیں سب کو پورا کیا اور مہیا کر لیا جائے۔ مَأَنَ فِی الْاَمْرِ کے معنے غور کر کے بات کو ذہن میں جما لینے کے ہیں۔ مَأْنَۃٌ ناف کو کہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ بچہ کو غذا پہنچتی ہے اور بچہ زندہ رہتا ہے۔ مَنَأَ الْجِلْدَ کے معنے چمڑے کو رنگ کر مضبوط کرنے کے ہیں۔ غرض س ل م اور ا م ن یہ تینوں حروف آگے پیچھے ہو کر جس طرح بھی آئیں ان کے معنے حفاظت کے ہی ہوتے ہیں۔ پس اسلام اور ایمان کے معنے یہ ہوئے کہ ایسے افعال کرنا جن سے انسان ہلاکت سے محفوظ ہو جائے۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنے سچے مذہب کے نام کے لئے ایسے الفاظ رکھے ہیں کہ ان میں ہی مذہب کی اصل غرض بتادی ہے جو دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے غضب سے لوگ بچ جائیں اور آپس کے لڑائی جھگڑوں سے نجات پا جائیں۔ اب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو اسلام کی یہی تعریف قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے۔

تعلیم القرآن

کیونکہ مؤمن کے فرائض قرآن کریم نے یہی بیان فرمائے ہیں جیسا کہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ

اَلْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (النحل: ۹۱) اللہ حکم دیتا ہے تمہیں عدل کا۔ عدل برابری کو کہتے ہیں۔ جس میں نہ کمی پائی جائے نہ زیادتی۔ پھر اللہ حکم دیتا ہے احسان کا۔ یعنی نہ صرف یہ کہ انسان جس طرح اپنی چیزوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کی چیزوں کو رکھے۔ بلکہ یہ کہ محتاج کو اپنی دے دے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے کسی مسلمان، ہندو، عیسائی وغیرہ کی شرط نہیں لگائی۔ کہ فلاں کو تم دو اور فلاں کو نہ دو۔ عام طور پر فرمادیا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ خواہ کوئی کسی مذہب کا ہو اس سے عدل کرو یعنی جس طرح تم یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی تمہارے مال کو لے تمہاری عزت کو برباد کرے تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے اسی طرح تم کسی کے ساتھ نہ کرو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (بخاری کتاب الایمان باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ) کہ تم میں سے اس وقت تک کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ پس مؤمن کی یہ شرط رکھی گئی ہے کہ جس کے ضرر سے ساری دنیا محفوظ رہے اور جس طرح وہ اپنی جان کے لئے پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی خیانت کرے۔ وہ بھی کسی کی نہ کرے اور جس طرح وہ اپنے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی غیبت کرے اس کے سامنے جھوٹ بولے اسے نقصان پہنچائے اسی طرح وہ بھی کسی سے اس طرح نہ کرے۔ پھر اللہ عدل کا ہی حکم نہیں دیتا بلکہ کہتا ہے کہ جو کسی کا حق دینا ہے اس سے بڑھ کر دو۔ اور دوسروں کو شر سے ہی نہ بچاؤ بلکہ نعمت سے مالا مال کرو۔ پھر اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى کرو۔ جس طرح ماں بچہ سے محبت بغیر کسی خواہش اور لالچ کے رکھتی ہے۔ اسی طرح تمہارا سب سے تعلق ہونا چاہئے۔ اور کسی سے نیکی اور احسان کی امید اور توقع رکھ کر نہیں کرنا چاہئے۔ اور منع کرتا ہے اللہ فحشاء سے یعنی ایسی بدیوں سے جو مکروہ ہیں۔ یا ایسی باتیں ہیں جو ناپسندیدہ ہیں لیکن اپنے نفس کے متعلق ہیں۔ لوگ ان کو نہیں جانتے اور پھر منکر سے منع کرتا ہے یعنی ایسی ناپسندیدہ باتوں سے جو ہیں تو اپنے نفس کے متعلق لیکن لوگ بھی انہیں جانتے ہیں اور برا مناتے ہیں۔ اور بغی سے منع کرتا ہے یعنی ایسی برائی سے جو اپنے نفس سے گزر کر دوسروں پر بھی اثر کرتی ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ ان سب قسم کی بدیوں سے اللہ منع کرتا ہے۔ غرض مؤمن کی تعریف قرآن کریم نے یہ بتائی ہے کہ اول تو وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ

کریں اور دوسروں کا حق نہ دبائے کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔لوگوں کے حقوق کو پوری طرح ادا کرے۔ دوم نہ صرف یہ کہ ان کے حقوق ادا کرے بلکہ اور زیادہ احسان کرے۔ سوم یہ کہ احسان اس کی طبیعت میں داخل ہو جائے اور وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر احسان کرے اور ایسے تمام افعال سے بچے جو ناپاک ہوں۔ اور پھر ایسے افعال سے بھی بچے جو لوگوں کی نظروں میں ناپسند ہوں اور ان سے بھی جن میں کسی دوسرے پر ظلم ہوتا ہو۔ یہ تو بنی نوع انسان کی حفاظت اور سلوک کے متعلق تھا۔ باقی روح رہ جاتی ہے۔ اس کے متعلق کسی خاص آیت کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن شریف کا ہر صفحہ ہر رکوع ہر سطر خدا کی عظمت اور جلال کا مظہر ہے۔ یورپ کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے اپنی کتاب (قرآن) میں خدا کا اتنا ذکر کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے (نعوذ باللہ) اسے خدا کا جنون ہے۔ یہ چونکہ عیسائی ہے۔ اس لئے اس نے قرآن کو آنحضرت ﷺ کی تصنیف کردہ کتاب بتا کر دنیاوی رنگ میں ایک نتیجہ نکال لیا کہ اسے خدا کا جنون معلوم ہوتا ہے لیکن معرفت رکھنے والے لوگ اس بات سے اور ہی نتیجہ نکالتے ہیں۔

غرض قرآن شریف نے نبیوں کی یہ غرض بتائی ہے کہ وہ آکر خدا کے غضب سے لوگوں کو بچائیں اور انسانوں کو آپس کے ضرر اور نقصان سے محفوظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کے طریق بتائیں۔ پس ہر ایک نبی جو آتا ہے انہی اغراض کو لے کر آتا ہے۔ اب تم اپنے دلوں میں سوچ لو کہ نبی کی تعلیم پر جہاں عمل کیا جائے۔ وہاں کیسا سُکھ اور آرام میسر ہو سکتا ہے۔ اگر دنیا نبیوں کی تعلیم پر چلنے لگے تو نہ پولیس کی ضرورت رہتی ہے نہ پہرہ داروں کی، نہ فوج کی نہ آلات حرب کی، کیونکہ مؤمن کے معنے ہی یہی ہیں کہ ایسا انسان جس میں کسی قسم کا شر اور کسی قسم کی بے حیائی نہ ہو اور فرمانبرداری کی صفت اپنے اندر رکھتا ہو۔

نبی اور فلاسفر میں فرق

نبی دنیا میں سب سے بڑا مصلح ہوتا ہے۔ بڑے بڑے فلاسفر گزرے ہیں مگر نبیوں کے مقابلہ میں کھڑے نہیں کئے جا سکتے کیونکہ جس طرح نبیوں نے اصلاح کی ہے اس طرح وہ نہیں کر سکے۔ بو علی سینا کی نسبت لکھا ہے کہ اسے ایک شاگرد نے کہا کہ اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ آپ کو یہ دعویٰ سجتا ہے۔ محمد (ﷺ) نے (نعوذ باللہ) یونہی دعویٰ کر دیا۔ وہ تو امّی تھا۔ یہ سن کر بو علی سینا چپ ہو رہا اور کچھ جواب نہ دیا۔ ایک دن سردی کا موسم تھا۔ اس نے تالاب میں جس کا

پانی سردی کی وجہ سے یخ ہو رہا تھا۔ اسی شاگرد کو چھلانگ مارنے کے لئے کہا۔ اس نے انکار کر دیا اور کہا کیا آپ جانتے نہیں کہ سردی کا موسم ہے۔ پانی میں چھلانگ مارنے سے سن ہو جاؤں گا۔ آج آپ کو کچھ ہو تو نہیں گیا۔ بو علی نے کہا۔ احمق اسی عقیدت پر تُو نے کہا تھا کہ اگر تُو نبوت کا دعویٰ کرتا تو درست ہوتا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک کو نہیں دو کو نہیں بلکہ ہزاروں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کو لڑا دو۔ تو وہ اپنے بیوی' بچے' عزیز و اقارب' مال و اموال سب کچھ چھوڑ کر چلے گئے اور جان جانے کی ذرا پرواہ نہ کی۔ بے تنخواہ کی پولیس' فوج اور مجسٹریٹ بن گئے۔ اپنا خرچ کرتے اور دنیا کی حفاظت کرتے اپنی جانیں قربان کرتے اور دنیا کو ہلاک ہونے سے بچاتے۔ پس نبیوں کا کام ثابت کرتا ہے کہ واقعہ میں وہ نبی ہیں۔ فلاسفر اصلاحِ خلق کا دعویٰ تو کر دیتے ہیں مگر ان کے کام میں کامیابی نہیں ہوتی۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں لیکن نبی دنیا کی حفاظت اور اصلاح کے لئے آیا کرتا ہے۔

شریعت کی غرض

اور شریعت بھی اسی غرض کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ جنہوں نے اس پر غور نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں شریعت لعنت ہے انہیں یہ غلطی لگی ہے کہ انسان چونکہ کمزور ہے اس لئے شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ پس یہ لعنت ہے لیکن انہوں نے سمجھا نہیں۔ شریعت گائڈ بک اور ہدایت نامہ کے طور پر ہوتی ہے اور نبی ہادی اور راہ نما ہوتا ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہدایت نامہ یا گائڈ بک کبھی گمراہی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ کیا اگر کسی کتاب میں لاہور آنے کا راستہ لکھا ہو' عجائب گھر' لارنس ہال' چڑیا گھر وغیرہ جگھوں کے پتے درج ہوں۔ یا طب کی کتابوں میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں زہر نہ کھانا اور اگر فلاں زہر کوئی کھالے تو اس کے لئے یہ تریاق ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسی کتابیں سُکھ اور آرام کا موجب ہُوا کرتی ہیں یا تکلیف کا۔ اسی طرح شریعت ہے کہ جو تکلیفیں اور مصیبتیں لوگوں پر آتی ہیں اس میں ان سے بچنے کے طریق بتائے جاتے ہیں اور جو آ چکی ہوں ان کو دور کرنے کی تدابیر سمجھائی جاتی ہیں چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا۔ (النساء : ۲۷-۲۸) اللہ نے ارادہ کیا ہے کہ تمہارے لئے خوب کھول کر بیان کر دے کہ فلاں کام کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے اور فلاں کرو گے تو نقصان۔ تم سے پہلے بھی کچھ

قومیں گزری ہیں ان میں سے بعض نے اپنے اعمال کی وجہ سے سُکھ پایا تھا اور بعض نے دکھ۔ خدا چاہتا ہے کہ ان کی باتیں تمہیں کھول کھول کر سنا دے۔ اور ان لوگوں کا راستہ تم کو بھی بتا دے جو ہلاکتوں سے بچ گئے کیونکہ اللہ ان کے حالات کو اچھی طرح جاننے والا اور ان حالات کے سنانے کی حکمت کو سمجھنے والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت کرے۔ اور وہ لوگ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ایک ہی طرف سارے کے سارے جھک جائیں۔ یعنی تمام پہلوؤں کو مدِّنظر نہ رکھیں اگر عیش میں پڑیں تو اسی میں پڑے رہیں۔ اگر تشدد کرنے لگیں تو اسی میں لگے رہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تمہیں ایسی تعلیم دیتے ہیں جس کے ذریعہ انسان سارے پہلوؤں پر نظر رکھ سکتا ہے۔ خواہشات کی پیروی کرنے والے کبھی سارے پہلوؤں کو مدِّنظر نہیں رکھ سکتے۔ ایسے آدمی ایک طرف جھک جاتے ہیں۔ اگر انہیں غصہ آتا ہے تو یہی چاہتے ہیں کہ پیس کر رکھ دیں اور اگر محبت کرتے ہیں تو کہتے ہیں سب کچھ قربان کر دیں۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ انسان کو ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فلاں موقعہ پر اس طرح کام کرو اور فلاں موقعہ پر اس طرح تا کسی بات میں حد سے بڑھنے کی وجہ سے نقصان نہ اٹھاؤ۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ (النساء: ۲۹) اللہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے بوجھوں کو کم کر دے یعنی شریعت کی غرض یہ ہے کہ انسان کے بوجھ کو ہلکا کیا جائے نہ جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شریعت ایک جکڑ بند ہے۔ شریعت کوئی بوجھ نہیں بلکہ ہدایت نامہ ہے۔ چونکہ انسان کمزور تھا اور اللہ خوب جانتا تھا کہ اگر اسے کوئی ہدایت نامہ نہ دیا گیا تو بڑے بڑے نقصان اٹھائے گا اور بڑے تجربوں اور نقصان اٹھانے کے بعد کسی چیز کو مضر اور کسی چیز کو مفید قرار دے گا۔ پس اس نے شریعتیں اور انبیاءؑ کو اسی لئے بھیجا۔ تو شریعت اور نبی دنیا میں صلح و آشتی، امن اور امان کے لئے آتے ہیں۔ یہی وہ تعلیم ہے جس کو تمام انبیاءؑ لے کر آئے اور یہی حضرت مسیح موعودؑ لے کر آئے آپ کا یہی مشن تھا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ لوگوں کا تعلق مضبوط کریں۔ اور دوسرے بندوں کا آپس میں ایسا سلوک کرا دیں کہ دشمنی اور عداوت رنج اور غصہ باقی نہ رہے۔ تمام انبیاءؑ انہیں باتوں کیلئے آتے رہے ہیں۔

انبیاءؑ کے کام

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ انبیاءؑ کے کام کی تشریح فرما دی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ الٰہی مکہ والوں میں ایک نبی مبعوث کر اور اس کا

کام یہ ہو کہ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ تیری طرف سے جو اسے دلائل ملیں انہیں سنائے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور انہیں کتاب اور حکمت سکھائے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ اور انہیں پاک کرے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرہ : ۱۳۰) بیشک تو بڑا غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ پس یہ نبیوں کے کام ہیں۔ جس طرح نبی کی بعثت کا زمانہ وہ ہوتا ہے جس میں دنیا دکھوں اور مصیبتوں میں پڑی ہوتی ہے اسی طرح نبی کی آمد کا وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں لوگ خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر چکے ہوتے ہیں۔ اور آپس میں لڑائی جھگڑے شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہؤا کہ صلح اور امن اور خدا پرستی کے زمانہ میں کوئی نبی آیا ہو۔ لیکن جب لڑائی فتنہ اور گند بڑھ جائے تو ضرور ہے کہ اس وقت نبی آئے اور اس فتنہ اور گند کو دور کرے۔

لوگوں کے لڑائی جھگڑے کا سبب

جھگڑے اور فساد کے متعلق یہ بات خوب یاد رکھو کہ ان کی وجہ دنائت اور کم حوصلگی ہوتی ہے۔ لوگ اپنی طاقتوں کو بھلا دیتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنے لگتے ہیں جن لوگوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں وہ ذرا ذرا سی بات پر نہیں لڑتے اور جن کے حوصلے بلند ہوتے ہیں ان کا خدا تعالیٰ سے بھی بڑا تعلق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کی نسبت جن کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں فرماتا ہے اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۹۵) گویا انہوں نے انسان کو ایسا ذلیل اور حقیر سمجھ رکھا ہے کہ کہتے ہیں بھلا انسان خدا کا رسول ہو سکتا ہے یہ تو بہت مشکل بات ہے پس ایسے ہی زمانہ میں نبی کی بعثت ہوتی ہے۔ جبکہ لوگوں کے حوصلے ادنیٰ ہو جاتے ہیں۔ نبی آکر ان کے حوصلے بڑھاتا اور ان میں بڑی بڑی طاقتیں بھر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ جب آئے تو آپ کو انتہائی درجہ پر انسانی حوصلہ کو پہنچانے کا شرف دیا گیا اور کہا گیا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (اٰل عمران : ۳۲) اے لوگو! تم تو یہ اعتراض کرتے ہو کہ ایک انسان کس طرح رسول ہو سکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے وہ کچھ سکھایا ہے کہ اگر تم میرے بتائے ہوئے احکام پر چلو گے تو خدا کے محبوب ہو جاؤ گے اور وہ تم سے پیار کرنے لگے گا۔ یہ تو انسان کی ترقی کا اعلیٰ درجہ ہے جو خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے دنیا کے سامنے پیش کیا لیکن جو نبی بھی آتا رہا ہے اس کا بڑا کام یہی رہا ہے کہ لوگوں کو دنائت سے بچائے۔ چنانچہ انبیاءؑ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے ذرائع اختیار کرتے رہے ہیں جن میں سے ایک زکوٰۃ و صدقہ کی تعلیم بھی ہے۔ اسلام نے تو یہاں تک احتیاط کی ہے کہ زکوٰۃ

کی ادائیگی حکام کی معرفت رکھی ہے وہی لے کر مستحقین کو دیں تاکہ زکوٰۃ دینے والے کا لینے والے پر کوئی احسان نہ ہو۔ اور اسے اس سے دبنا نہ پڑے۔ اس طریق سے اسلام نے دنائت کو جڑھ سے اکھیڑ دیا ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ایسے ہی وقت میں آتے ہیں جبکہ قوم میں دنائت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ دنائت ہی تمام جھگڑوں اور فساد کی جڑھ ہوتی ہے اگر کسی انسان کا دل اس مرض سے پاک ہو تو وہ فسادوں اور جھگڑوں میں کبھی حصہ نہ لے گا اور جب دنیا صلح اور امن سے زندگی بسر کرے تو انبیاءؑ کی بعثت کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی قوم کا ایک واقعہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ کس طرح وہ دنائت کی طرف جھکتی تھی اور حضرت موسیٰؑ ان کو اعلیٰ خیالات کی طرف لے جاتے تھے جس میں بتایا ہے کہ نبی ایسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے جو دنی الطبع ہو جاتی ہے اور اس کا کام ان کو اس دلدل سے نکالنا ہوتا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ (البقرہ : ۶۲) اس آیت میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی قوم ایک مدت تک فرعونیوں کے ماتحت رہ کر پست حوصلہ ہو گئی۔ اور ان کے خیالات بہت گر گئے تو ان میں ایک نبی مبعوث ہوا یعنی حضرت موسیٰؑ۔ اور وہ ان کو وہاں سے نکال کر شام کی حکومت دلانے کے لئے لایا لیکن چونکہ اس قوم کے حوصلے بہت پست تھے ان کی اصلاح کے لئے ان کو ایک جنگل میں رکھا گیا تاکہ دوسری قوموں سے الگ رہ کر موسیٰؑ کی تعلیم کا اثر دل میں لیں اور مدت دراز کی غلامی کے بد اثر سے جو دنائت پیدا ہو گئی تھی اسے دور کریں چنانچہ ان کو حکم دیا گیا کہ کوئی کام کاج نہ کرو شکار اور جنگل کی کھمبیاں کھاؤ۔ مگر ایک مدت کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم اس ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ پیاز ہو لہسن ہو مسور ہو گیہوں ہو۔ تاکہ ہم کھائیں۔ اللہ نے انہیں کہا۔ کیا تم ادنیٰ کے بدلہ اعلیٰ کو قربان کرنا چاہتے ہو؟ اس کے یہ معنی نہیں کہ گوشت کوئی ایسی چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے سبزی کا مانگنا ایک گناہ ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ گوشت اعلیٰ ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اسے اعلیٰ فرمایا ہے لیکن یہ

نہیں مانتے کہ اگر کوئی سبزی کے مقابلہ میں گوشت کو ادنیٰ قرار دے تو وہ خدا کے حضور قابل سرزنش اور لائق عذاب سمجھا جائے۔ پس یہاں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چونکہ انہوں نے اعلیٰ کو ادنیٰ پر قربان کرنا چاہا۔ اس لئے ہم نے کہا چلے جاؤ کسی شہر میں اِس میں تمہیں جو مانگتے ہو مل جائے گا۔ اور ان پر ذلت اور مسکنت ڈالی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر چلے گئے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کو شام کی سلطنت دینے کا وعدہ تھا اور جنگل میں انہیں اس لئے رکھا گیا تھا کہ ان کی دنائت دور ہو کر اس قابل ہو جائیں کہ حکومت کر سکیں۔ اور طبیعت میں جرأت، آزادی اور بلند حوصلگی پیدا ہو جائے لیکن انہوں نے حکومت کی بجائے سبزیوں اور ترکاریوں یعنی زراعت پیشہ کو پسند کیا اور حکومت کی بے قدری کی اس لئے مورد عتاب ہو گئے اور ان پر عذاب نازل ہوا۔ اور اس ادنیٰ شَے کی طرف ان کی توجہ پھر جانے کی یہ وجہ تھی کہ انہیں اللہ کی آیات پر ایمان نہ تھا اور یقین نہ آتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کا وعدہ سچا ہو گا اور اس کمی ایمان کا باعث ان کا نبیوں سے بلاوجہ جھگڑنا تھا اور نبیوں کا مقابلہ کرنے کا باعث ان کی بدیاں اور شرارتیں تھیں کہ انبیاءؑ ان سے ان کو روکتے تھے اور وہ باز آنا نہ چاہتے تھے۔ اس آیت سے خوب واضح طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نبیوں کی بعثت کیسے وقت میں ہوتی ہے اور وہ کس طرح لوگوں کے حوصلوں کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ اور دنائت سے نکال کر اعلیٰ اخلاق کی طرف لے جاتے ہیں اور جو نبی کو چھوڑتے ہیں وہ دنائت اور کمینگی کی طرف جھکتے ہیں۔ حتیٰ کہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم پر کمال فضل ہو سکتا ہے؟ میں نے ابھی یہ آیت پڑھی ہے کہ **هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا**۔ (الجمعہ : ۳) وہی خدا ہے جس نے امیوں میں رسول بھیجا۔ اور انہی میں سے بھیجا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو حیرت اور تعجب ہوا کہ بھلا ہم میں سے کوئی رسول ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہم تو امی ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے امیوں سے ہی ایک کو نبی بنا دیا۔ اسی طرح جب یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے تو لوگوں نے کہا کہ اب کوئی نبی کہاں سے آئے گا یعنی اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ لیکن یہ بات کم حوصلگی اور دنائت سے پیدا ہوتی ہے اور پھر اس سے آپس میں لڑائی اور فساد شروع ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے لوگوں کے تعلق قطع ہو جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی چونکہ لوگوں کی یہی حالت ہو گئی تھی اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی لئے آئے اور انہوں نے آکر پکارا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ خدا سے تمہارا تعلق پیدا کراؤں اور تم میں صلح و آشتی اور محبت پیدا

کراؤں۔ خدا تعالیٰ سے تعلق کرانے اور دنیا میں صلح اور آشتی پھیلانے کے لئے نبی ایک جماعت پیدا کرتے ہیں اور یہ ایسی جماعت ہُوا کرتی ہے جو کسی بات کو اندھا دھند نہیں مانتی بلکہ ہر ایک بات کو دلائل سے مانتی ہے۔ خدا' قیامت' فرشتے' جزاء و سزا' بہشت و دوزخ وغیرہ ہر ایک چیز کو دلائل سے قبول کرتی ہے۔ لیکن اس جماعت کے بعد جب لوگوں میں کم حوصلگی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ نبیوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے اور جو اعتقاد وہ رکھتے ہیں۔ ان کے ثبوت کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ رسم و رواج کا نام ہی دین رکھ لیتے ہیں۔ آپ لوگ اگر اس وقت کے مولویوں سے پوچھیں کہ خدا تعالیٰ کے ثبوت میں آپ کے پاس کیا دلائل ہیں تو اکثر کچھ جواب نہ دے سکیں گے اور الٹا یہ کہنے لگ جائیں گے کہ تم خدا کا ثبوت مانگتے ہو کیا دہریہ ہو گئے ہو۔ اگر کسی قرآن شریف کی آیت کے متعلق پوچھا جائے تو کہہ دیں گے کہ کیا تم قرآن پر ایمان نہیں لاتے جو اعتراض کرتے ہو ایسا کہنا تو کفر ہے۔ یہی حال اہل ہنود کا ہے۔ لیکن نبی کی بنائی ہوئی جماعت ہر بات کے لئے دلائل رکھتی ہے۔ کیونکہ نبی ہر ایک بات دلائل سے منواتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے ہمارے سلسلہ کی کتابیں پڑھی ہیں انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گی۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے ۸۰۔ ۹۰ فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ایسے لوگ ہوں گے جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کو اس لئے مانتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی ہستی کے متعلق یہ ثبوت ہیں۔ اسلام کو اس لئے قبول کیا ہے کہ اس کی صداقت کے فلاں فلاں دلائل ہیں۔ لیکن اگر دوسرے لوگوں سے پوچھا جائے تو ان میں سے بہت ہی کم ایسے ہوں گے جو کوئی ثبوت دے سکیں۔ ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ ایک نوجوان جو میرے نہایت عزیز ہیں اور گریجوایٹ ہیں میں نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا ہُوا نہیں۔ اسی طرح اگر کسی ہندو سے پوچھیں کہ آپ کے مذہب کا کیا ثبوت ہے۔ تو اس کا یہی جواب ہو گا کہ چونکہ میں ہندوؤں کے گھر پیدا ہُوا ہوں اس لئے ہندو ہوں۔ یہی حال اور مذاہب کے لوگوں کا ہے۔ تو نبی کا یہ کام ہوتا ہے کہ رسمی اور رواجی اعتقادوں سے نکال کر یقینی باتوں کی طرف لے آتا ہے۔ پھر نبی کا دوسرا کام یہ ہوتا ہے۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ لکھنے پڑھنے کی تعلیم سکھاتا ہے۔ اس میں تعلیم بھی آجاتی ہے اور شریعت بھی۔ وَالْحِكْمَةَ اور ہر ایک شریعت کے حکم کی حقیقت اور وجہ بھی بتاتا ہے۔ اس وقت اکثر لوگ نہیں جانتے کہ نماز کیوں پڑھی جاتی ہے' بپتسما کیوں کی جاتی ہے

گرجا میں کیوں حاضر ہُوا جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے ہر ایک حکم کی وجہ بتا دی ہوئی ہے کہ نماز اس لئے پڑھو' روزہ اس لئے رکھو، شراب اس لئے نہ پیو، زنا اس لئے نہ کرو، جؤا اس لئے نہ کھیلو۔ پھر نبی کا یہ کام ہے وَيُزَكِّيهِمْ ان کے اعمال کو پاک کرتا اور خیالات کو بلند کرتا ہے ان میں وسعت حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک کام تو یہ تھا کہ ایک دیندار جماعت پیدا کر دے۔ اور ایک اور کام تھا جو آپ سے نہیں بلکہ آپ کی پیدا کردہ جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے مرسلین نہ صرف ایک ایسی جماعت تیار کرتے ہیں جو ہر طرح سے اعلیٰ اور اکمل ہو بلکہ ایسی بھی ہو جو دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائے۔ چنانچہ سب انبیاءؑ نے ایسا کیا ہے۔ اور ایسی جماعتیں تیار کر گئے ہیں۔ جو دنیا میں صلح اور امن پھیلانے کا باعث ہوتی ہے۔ اور جو بیج ان نبیوں نے بویا تھا۔ اس کو پانی دے کر انہوں نے ایک بڑے درخت تک پہنچایا ہے۔ ہمارے آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی امت کو مختلف اقوام میں صلح و آشتی کا نمونہ دکھانے کے لئے مدینہ میں غیر اقوام سے معاہدات کئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اسی غرض کے لئے پیغام صلح ایک رسالہ لکھا۔ جو لاہور میں ہی پڑھا گیا جس میں غیر مذاہب کے لوگوں کو اس طرف بلایا گیا۔ کہ ہم آپ کے نبیوں کو مانتے ہیں اور برا نہیں کہتے اس لئے آپ کا بھی فرض ہے کہ ہمارے آنحضرت ﷺ کو سچا سمجھیں۔ اور برا نہ کہیں آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس طرح کرو تو صلح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جھگڑے اور فساد عقائد کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ بد گوئی اور گالیوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے مناظرات کے متعلق یہ تجویز پیش کی کہ اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کی جائیں نہ کہ ایک دوسرے پر حملے کئے جایا کریں آپ کا یہ پیغام آپ کی جماعت کے لئے خضر راہ کے طور پر ہے اور اس کے لئے آپ نے ایک نظام مقرر فرما دیا کہ اس طریق پر چل کر دنیا میں صلح و امن قائم کرو۔ بے شک آپ فوت ہو گئے ہیں لیکن آپ کا کام اسی قدر تھا جو آپ نے کیا اور ضرور تھا کہ دوسرے نبیوں کی طرح آپ بھی ایک راستہ دکھا کر رخصت ہو جاتے اب ہمارا کام ہے کہ ہم اس راستہ پر چل کر دنیا کو صلح کی طرف لائیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان تدابیر پر عمل کیا جائے جو آپ نے بتائی ہیں تو دنیا میں بالکل امن قائم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جہاں نرمی اور سلوک سے کام کیا جاتا ہے وہاں صلح اور آشتی ہوتی ہے لیکن جہاں سختی کو استعمال کیا جائے وہاں جدائی ہو جاتی ہے۔ خواہ آپس میں کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو لیکن اگر سختی ہو تو دشمنی اور رنج پیدا ہو جاتا

ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مختلف مذاہب کے لوگوں کو اس طرف بلانا کہ ایک دوسرے کو گالیاں دینے کی بجائے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کیا کرو درحقیقت امن عامہ کیلئے راستہ صاف کرنا تھا اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے میں آپ لوگوں کے سامنے کھڑا ہؤا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ مختلف مذاہب کے لوگ سکھ' ہندو' مسیحی' آریہ' سناتنی اور غیراحمدی جو اس وقت یہاں موجود ہیں اپنی اپنی جگہوں پر اس بات پر غور کریں کہ آپس میں گالیاں دینے کا کیا فائدہ ہے۔ حق کے اظہار کے لئے گالیاں دینے کی ضرورت نہیں۔ گالیوں سے سوائے عناد اور بغض کے ترقی کرنے کے اور آپس میں فساد ہونے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ترقی جو دین و دنیا میں ہم لوگ کر سکتے ہیں پیچھے اور پیچھے ہی پڑ رہی ہے۔ جبکہ وہی باتیں جو کہ سختی اور فحش کلامی کے ساتھ کہی جاسکتی ہیں نرمی سے بھی کہی جا سکتی ہیں تو کیوں اس مفید طریق کو چھوڑ کر اس گندے رویہ کو اختیار کیا جائے جن سے دین و دنیا کا نقصان ہے۔ دین کا تو اس لئے کہ جب اس میں عناد پیدا ہو جائے۔ تو دوسرے کی بات پر غور کرنے کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہی نہیں۔ اور دنیا کا اس لئے کہ اس فساد کا باعث یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی ملک میں رہنے والی اقوام باوجود قرب مکانی کے ایک دوسرے سے ایسی بعید رہتی ہیں کہ ان فوائد سے جو متحدہ کوششوں سے حاصل ہو سکتے ہیں محروم ہو جاتی ہیں۔ اور یہ خیال کرنا کہ بعض لوگ باوجود اس اختلاف کے مل کر کام کرتے ہیں درست نہیں۔ کیونکہ اگر بعض لوگ اپنے مذہب سے دلی طور پر تنفّر رکھنے کی وجہ سے دوسرے کی گالیوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے یا مذہب پر دنیا کو مقدم رکھتے ہیں تو ان کی حالت پر سب کا قیاس کر لینا درست نہیں۔ جب تک دو قوموں میں کثرت ان لوگوں کی نہ ہو۔ جو ایک دوسرے سے بجائے نفرت رکھنے کے محبت رکھتے ہوں۔ اس وقت تک ان میں صلح نہیں ہو سکتی۔ چند آدمیوں کی کوششیں خواہ وہ کتنے ہی عالی رتبہ کیوں نہ ہوں کبھی بار آور نہیں ہو سکیں گی۔ اور چونکہ اکثر لوگ دین کی محبت رکھنے والے ہوتے ہیں جب تک مذہبی تنافر دور نہ ہو کبھی دو قوموں میں صلح نہیں ہو سکتی۔ اور مذہبی تنافر دور کرنے کا ایک ہی طریق ہے کہ سخت کلامی اور فحش گوئی سے پرہیز کیا جائے۔ پس ہندوستان کے موجودہ اختلافات اور بغض و عناد کے دور کرنے کیلئے ایک ہی تجویز ہے

مذہبی جھگڑوں کے انسداد کی تجویز

کہ ایک دوسرے کو گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا ترک کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نے وعدہ کیا تھا کہ اگر لوگ ہم پر سختی کرنا چھوڑ دیں تو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ ورنہ بعض اوقات سختی کا جواب سختی سے ہی دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر جواب نہ دیا جائے تو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس جواب ہی نہیں۔ پس اگر مختلف مذاہب کے لوگ اس بات میں ہمارے ساتھ شامل ہونے پر آمادہ ہو جائیں تو میں اپنی جماعت کی طرف سے جو کئی لاکھ ہے۔ اور جس کا میں واحد امام ہوں اپنی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو لوگ گالیوں کو ترک کر کے نرمی اور آشتی کی طرف ایک قدم بڑھائیں گے میں دس قدم بڑھاؤں گا اور جو ہماری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا ہم اس کی طرف دس ہاتھ بڑھیں گے۔ جدائی کا باعث ہمیشہ سختی اور دل آزاری ہی ہؤا کرتی ہے چنانچہ ہمارے اپنے اندر سے ہی جب ایک گروہ نے سختی کی تو باوجود ہزاروں اتحاد کے پہلوؤں کے ہمیں ان سے جدا ہونا پڑا۔ پس جب اپنے بھی گالیاں دیں تو ان سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ تو غیر تو پھر غیر ہی ہیں۔ لیکن سوچنا چاہئے کہ اس نااتفاقی اور لڑائی جھگڑے کی وجہ سے کس قدر فساد بڑھ رہا ہے اور اس کے دور کرنے کے لئے کتنی قربانی کی ضرورت ہے۔ ایک طرف اس فساد کو رکھو اور دوسری طرف اس قربانی کو۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ فساد کے مقابلہ میں اس قربانی کو جو مختلف مذاہب کے لوگوں کو کرنی پڑے گی کچھ نسبت ہی نہیں۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کو گالیاں دینے سے کسی مذہب کو حقیقتاً کوئی فائدہ نہیں۔ مثلاً اگر کوئی ہندو یا آریہ آنحضرت ﷺ کو گالی دے تو اسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ گالی تو زندہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی فوت شدہ کا کیا بگاڑے گی۔ پھر اس انسان کا جس کو خدا تعالیٰ نے پاک اور مطہر ٹھہرایا کیا بگڑ سکتا ہے اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر اس سے مسلمانوں کے دلوں میں ایسا ناسور پڑ جاتا ہے کہ کوئی مرہم اسے بند نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مسلمان یہ تو پسند کر لیں گے کہ ان کے سامنے ان کے بیوی بچوں کو قتل کر دیا جائے ان کے مال و اموال کو چھین لیا جائے ان کی گردنوں پر کُند چھری پھیر دی جائے لیکن یہ کبھی پسند نہیں کریں گے کہ اس رسولؐ کو جس کے ذریعہ انہیں ہدایت نصیب ہوئی کوئی برا لفظ کہا جائے۔ پس جو شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے۔ اس کے مذہب کو یا اس کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اس عمل سے مسلمانوں کو اس سے اور اس کے ہم مذہبوں سے ضرور نفرت ہو جائے گی جس کا نتیجہ خطرناک ہوگا۔ اسی طرح اگر مسلمان کریں کہ رام چندر جی یا کرشن جی کو برا بھلا کہیں تو ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مگر اس سے یہ ضرور ہو گا کہ ان کے اہل وطن کے دلوں پر ایسا

زخم لگے گا کہ جس کو کوئی مرہم اچھا نہیں کر سکے گی اور مسلمانوں کو خطرناک نقصان پہنچے گا۔ غرض سخت کلامی اور دوسرے مذاہب اور ان کے بزرگوں کو گالیاں دینا یا ان کی عیب جوئی کرنا ایک ایسا خطرناک کام ہے کہ جس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو عادت اس وقت ہندوستان کے لوگوں میں پڑ چکی ہے اس کو دور کیونکر کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یکدفعہ تو اس کام کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن مشکل کام سے گھبرانا بھی انسان کا کام نہیں۔ اس لئے میرے خیال میں سردست اس مدعا کو پورا کرنے کے لئے ایک مذہبی کانفرنس کی جائے جس کے اجلاس سال میں ایک یا دو دفعہ ہُوا کریں۔ ان اجلاسوں میں مختلف مذاہب کے پیرؤوں کو اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے بلایا جائے۔ اور دوسرے مذاہب پر صراحتاً یا کنایتاً حملہ کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک مقرر اپنی تقریر میں مقرر کردہ مضامین کے متعلق صرف وہ تعلیم پیش کرے جو اس کے مذہب نے دی ہے یا اس پر جو اعتراض پڑ سکتے ہوں ان کا جواب دے دے۔ اس کو یہ اجازت نہ ہو کہ دوسرے مذاہب پر حملہ کرے یا ان کے بزرگوں کو برا بھلا کہے۔ یہ کوشش نہ صرف مختلف مذاہب کے پیرؤوں کے لئے موجب برکت ہوگی بلکہ گورنمنٹ برطانیہ کی بھی ایک خدمت ہوگی کیونکہ ملک میں امن ہو تو گورنمنٹ بھی آزادی کے ساتھ اپنی اصلاحی تدابیر پر عمل کر سکتی ہے اور ملک میں فساد گورنمنٹ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پس ایسی کوشش نہ صرف ملک کی خدمت ہے بلکہ گورنمنٹ کی بھی خدمت ہے۔ اور میرے نزدیک وہ سراسر غلطی پر ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کی کامیابی مختلف اقوام کے اختلاف میں ہے۔ نہ یہ خیال درست ہے اور نہ گورنمنٹ برطانیہ کا طریق عمل اس کی تائید کرتا ہے اور نہ عقل اس کی تائید کرتی ہے۔ پس اس کام کو جس قدر جلد ہو سکے شروع کر دیا جائے۔ اور جب یہ کام شروع ہو جائے گا تو امید ہے کہ لوگ آہستہ آہستہ خود اس طریق کی خوبی کے قائل ہو جائیں گے۔ اور اگر پہلے ہمارے ساتھ شامل نہ ہوتے تھے تو بعد میں ہو جائیں گے۔ بے شک اس کام کے راستہ میں بہت سی تکالیف اور مشکلیں ہیں لیکن کونسا کام ہے جس کے راستہ میں تکالیف نہیں ہوتیں۔ ابتداءً بے شک بعض لوگ مخالفت کریں گے لیکن آخر کار اس میں ضرور کامیابی ہوگی۔ کیونکہ جب تجربہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ طریق خیر و برکت کا طریق ہے تو جو لوگ اس کے مخالف ہوں گے وہ بھی اسے ضرور قبول کریں گے۔ کیونکہ کون ہے جو اپنے فائدہ کو معلوم کرکے پھر بھی اسکے حاصل کرنے سے دریغ

کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ لوگوں میں سے جو اس جگہ موجود ہیں بعض کو اس کام کی توفیق دے تو اس کے مبارک نتائج میں تو کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس وقت ضرورت ہے کہ وہ لوگ جو ایک ہی ملک میں رہتے ہیں بلکہ ایک ہی شہر میں رہتے ہیں ایک ہی زبان بولتے ہیں ایک ہی کنویں سے پانی پیتے ہیں اور ایک ہی دریا میں نہاتے ہیں۔ آپس میں بغض و عناد کو ترک کر کے صلح کی طرف قدم بڑھائیں۔

دوسرا پیغام

اس پیغام کے علاوہ ایک اور بھی پیغام ہے جو میں آپ لوگوں کو پہنچانا چاہتا ہوں اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک برگزیدہ ہم میں مبعوث کیا ہے اس کو قبول کرو۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں اس کی صداقت کے دلائل پیش کروں۔ ہاں ایک چھوٹی سی بات بیان کرتا ہوں اس سے صداقت پسند لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے کا دعویٰ کرتا ہے اور جو اس کے مقابلہ کے لئے اٹھتا ہے گرایا جاتا ہے۔ جو اسے رسوا کرنا چاہتا ہے خود رسوا ہو جاتا ہے جو اسے دکھ دینا چاہتا ہے خود دکھ اٹھاتا ہے تو کیا ایسا شخص مفتری ہو سکتا ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ (نعوذ باللہ) ایسا انسان مفتری ہو سکتا ہے تو پھر خدا کی ہستی میں بھی شک پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی حکومتیں ایسے شخص کو جو جھوٹے طور پر ان کی طرف سے عہدہ دار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پکڑتی اور سزا دیتی ہیں مگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں حالانکہ وہ نہیں آیا تو اسے خدا تعالیٰ کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ ہر مقابلہ میں فتح پاتا اور ہر جگہ نصرت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر سچے نبی کا کوئی معیار نہیں رہ جاتا۔ پس آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر غور کریں کہ جس کی سچائی کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ لاکھوں نشان ظاہر کئے قادیان ہی ایک بہت بڑا نشان ہے ایک وقت تھا کہ وہاں ضروری چیزیں بھی نہ مل سکتی تھیں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ہفتہ میں شائد ایک دفعہ ڈاک آتی تھی اور وہاں کے پرائمری سکول کے مدرّس کو تین روپے ماہوار الاؤنس ڈاک کے کام کا ملا کرتا تھا۔ لیکن اب وہاں آبادی کی کثرت سے زمینوں کی اس قدر قیمت بڑھ گئی ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں بھی اتنی نہ ہوگی۔ اور یورپ، امریکہ اور افریقہ سے ڈاک آتی ہے اور دور دراز ملکوں سے لوگ کھنچے آتے ہیں۔ ایک سب پوسٹماسٹر اور کلرک کام کرتے ہیں۔ بے شک بہت سے شہروں میں اس سے بڑا کام ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا

کوئی اور بھی ایسا شہر ہے جس کے متعلق قبل از وقت ایک شخص نے اعلان کیا ہو کہ مجھے خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے اس کی ترقی کی خبر دی ہے اور پھر وہ اس حیرت انگیز طریق سے بِلا کسی دنیاوی سبب کے اس طرح ترقی پا گیا ہو۔ وہاں کوئی سرکاری محکمہ نہ ہو حتیٰ کہ تھانہ بھی نہ ہو۔ آپ لوگ غور کریں کہ کونسی چیز لوگوں کو اس کی طرف کھینچ رہی ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ خدائی ہاتھ کام کر رہا ہے اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کا الہام تھا کہ فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَ تُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ (تذکرہ صفحہ ۶۶) وقت آگیا ہے کہ خدا تیری مدد کرے اور دنیا میں تیرا نام روشن کر دے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شخص جس کو دنیا میں کوئی نہ جانتا تھا۔ اور اس کے ضلع کے لوگ بھی اس سے واقف نہ تھے اس قدر شہرت پاتا ہے کہ دنیا بھر میں اس کا نام مشہور ہو جاتا ہے۔ اور مختلف ممالک میں مختلف اقوام کے لوگ اس کی غلامی میں داخل ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ قوم جو اس کے ملک میں حاکم ہے اس کے افراد بھی اس کی غلامی میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اس کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ بے شک بعض لوگ کہہ دیں گے کہ بعض اور گمنام لوگ بھی اسی طرح مشہور ہو گئے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کی نظیر بتاؤ کہ کسی شخص نے قبل از وقت گمنامی کی حالت میں الہام پا کر اعلان کیا ہو اور پھر باوجود اس کے بجائے موردِ غضب الٰہی ہونے کے اس نے دنیا میں ترقی کی ہو۔ اور اس طرح اس کا نام شہرۂ آفاق ہُوا اور ہر رتبہ کے اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اس کی غلامی اختیار کی ہو۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے قبل از وقت الہام پا کر لکھا تھا کہ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔ اب کوئی قادیان جا کر دیکھ لے کہ وہاں امریکہ اور یورپ تک کے لوگ آتے ہیں۔ یورپ میں تو آٹھ آدمی بیعت بھی کر چکے ہیں۔ اسی طرح مصر سے افریقہ کے ساحلوں سے اور ہندوستان کے مختلف اقطاع سے لوگ آتے ہیں۔ بھلا یہ کہنا کسی انسان کا کام ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسا انسان پیش تو کرو اور اگر اس کی نظیر نہیں ملتی تو حق پسندی طالب ہے اس بات کی کہ اس کے دعویٰ کو قبول کیا جائے۔ جو باتیں میں نے سنائی ہیں کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں۔ ہر مذہب کے پیرو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہاں مسلمانوں پر تو بالخصوص حجت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ پس اگر نعوذ باللہ مرزا جھوٹا ہے تو قرآن بھی جھوٹا ہو جاتا ہے۔ اور اگر قرآن کریم سچا ہے تو مرزا صاحب کے دعویٰ کے قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اور اس جماعت کی ترقی بھی اس حالت کو پہنچ گئی ہے کہ اب وہ وقت نہیں رہا کہ لوگ کہیں کہ یہ

سلسلہ مٹ جائے گا۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہماری ترقی میں روک نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی حکومت روک نہیں سکتی۔ ہم خدا کے فضل سے اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ خدا نے ہمارے لئے ترقی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اگر ساری دنیا مل کر بھی ہماری ترقی کو روکنا چاہے تو نہیں روک سکتی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور اس نے کہا کہ آپ اس خدا کی قسم کھائیں جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے کہ میں سچا ہوں۔ تو آپ نے قسم کھائی۔ میں بھی آپ کی اتباع میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ اب اس سلسلہ کے لئے کوئی چیز روک نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے مجھے خود ایک رؤیا کے ذریعہ بتایا۔ ؂کہ آسمان سے سخت گرج کی آواز آرہی ہے اور ایسا شور ہے جیسے توپوں کے متواتر چلنے سے پیدا ہوتا ہے اور سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ ہاں کچھ کچھ دیر کے بعد آسمان پر روشنی ہو جاتی ہے۔ اتنے میں ایک دہشت ناک حالت کے بعد آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور نہایت موٹے اور نورانی الفاظ میں آسمان پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے باآواز بلند کچھ کہا۔ جس کا مطلب یاد رہا کہ آسمان پر بڑے بڑے تغیرات ہو رہے ہیں جن کا نتیجہ تمہارے لئے اچھا ہو گا۔ پس اس سلسلہ کی ترقی کے دن آگئے ہیں کیونکہ اس خواب کا ایک حصہ پورا ہو گیا ہے۔ اور یورپ کی خطرناک جنگ کی شکل میں ظاہر ہؤا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلام کی صداقت کو روشن کرے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا مگر اس کے ہاتھ سے جس نے مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت پھیلے۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ سلسلہ فلاں آدمی کی وجہ سے چل رہا ہے۔ اس کے بعد تباہ ہو جائے گا۔ وہ سن رکھیں کہ ایسے بہت لوگ تھے جو کہتے تھے کہ مرزا صاحب مر گئے تو یہ سلسلہ بھی مر جائے گا۔ پھر بہت تھے جو یہ کہتے تھے کہ مولوی نور الدین کی وجہ سے چل رہا ہے۔ حتیٰ کہ خواجہ غلام الثقلین صاحب نے بھی ایسا ہی لکھا تھا۔ جس کا میں نے جواب دیا تھا کہ تم غلط کہتے ہو کہ کسی انسانی طاقت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ پھر انگریزی خوانوں کا خیال تھا کہ چند انگریزی پڑھے ہوئے چلا رہے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے دو تین واقعات یکے بعد دیگرے کر کے دکھا دیا کہ یہ خیال غلط ہے چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد ایک تو وہ بے نظیر انسان اٹھا لیا۔ جس کی علمیت کا اعتراف غیر احمدی عالموں کو بھی کرنا پڑتا تھا۔ اور دوسرے ان لوگوں کو الگ کر دیا جو سلسلہ کے لئے بطور

عمود سمجھے جاتے تھے۔ اور سلسلہ احمدیہ کو ذرا بھی کسی قسم کا ضعف نہ آنے دیا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ سلسلہ انسانی نہیں بلکہ خدائی ہے۔ پس وقت آگیا ہے کہ جنہوں نے بدوں غور کرنے کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ ان سے ضرور پوچھا جائے اگر (نعوذ باللہ) یہ سلسلہ جھوٹا ہے۔ تو قبول کرنے والوں کو سزا نہیں ہو گی۔ لیکن جنہوں نے غور ہی نہیں کیا۔ ان کو سزا دی جائے گی کہ کیوں انہوں نے غور نہیں کیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ صاحبان دنیا کے کاموں سے وقت نکال کر مہینہ میں ایک دفعہ یا کم از کم سال میں ایک دو دفعہ اس سلسلہ کی کتابیں ضرور پڑھیں گے۔ اور واقف کار لوگوں سے باتیں سنیں گے۔ اگر یہ باتیں حق نہ ہوں تو آپ لوگ رد کردیں۔ کیا ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے کہ ہم کسی کو ان باتوں کے قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو تلوار دے کر نہیں بھیجا۔ اور اس میں ایک بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ پر منکرین اسلام نے اعتراض کیا تھا کہ انہوں نے اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کو جب مخالفین نے ازحد تنگ کیا تھا تو تب آپ نے تلوار اٹھائی تھی۔ تاہم نادان لوگوں نے یہی کہا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے لیکن اب جبکہ دنیا سے اسلام اٹھ چکا تھا تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو کھڑا کر کے بتا دیا کہ جب اس کا یہ غلام دلائل اور براہین سے لوگوں کے دلوں کو فتح کر سکتا ہے تو آقا نے کیوں نہ ایسا کیا ہو گا۔ دنیا نے چونکہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی تھی اس لئے ضرور تھا کہ وہ تلوار سے ہی مقابلہ کرتے لیکن اب خدا تعالیٰ نے مذہب کے متعلق تلوار چھین لی ہے اور ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہم اسی گورنمنٹ کے مذہب پر جس کی حکومت میں رہتے ہیں آزادی سے اعتراض کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دلائل سے کام لیا ہے پس ہمارے ہاتھ میں تلوار نہیں اور نہ حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہونی چاہئے تھی۔ ہم دلائل پیش کرتے ہیں آپ ان پر غور کریں اور اگر حق نہ پائیں تو ان کو رد کردیں لیکن سننا اور غور کرنا شرط ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ یہ سلسلہ سچا ہو پس اگر سچا ہے تو میں سب مذاہب کے لوگوں کو کہتا ہوں کہ بتلاؤ کہ خدا کو کیا جواب دو گے تم لوگ جھوٹے اشتہاروں اور ڈنڈھوروں کی طرف تو متوجہ ہو جاتے ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آواز آئی ہے اس پر کان نہ دھرو۔

آخر میں مَیں پھر اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے باہمت ضرور ان

تدابیر پر عمل کرنے کی کوشش کریں جن سے ہندوستان کے یہ لڑائی جھگڑے دور ہوں اگر کوئی مجھ سے اس کے متعلق خط و کتابت کرے گا تو میں ہر قسم کی بدنی 'مالی 'علمی خدمات کرنے کو تیار ہوں گا۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ زمانہ آئے کہ ہر طرف امن اور صلح ہو۔ اور خدا تعالیٰ جلد وہ وقت لائے جو نبیوں کے وقت لایا کرتا ہے۔ تاکہ تمام لوگ خواہ کسی مذہب کے ہوں۔ علمی اور قومی اور گورنمنٹ کی خدمت مل کر کریں اور مذہب میں سختی اور درشتی کو چھوڑ دیں اور سچے مذہب کی خوبیوں سے آگاہ ہونے کا ان کو موقعہ ملے۔

---

[1] آخری اس لئے کہ آپ کے بعد کوئی نبی صاحب شریعت نہیں آسکتا۔ کوئی نبی براہ راست نہیں آسکتا۔ پس آئندہ نبوت آپ کے فیض اتباع اور مہر سے ملتی ہے۔

[2] یہ رؤیا اخبار بدر مؤرخہ ۹۔ جنوری ۱۹۱۴ء میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ (مؤلف)